ابو العلا محمد اسمٰعیل گودھروی

تفسیر القاء الرحمن

ترجمہ

تفسیر الہام الرحمن

(چھٹی قسط)

اوراس قول کے اندر ہے۔

وَيَقْطَعُونَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ط

ان تعلقات کو توڑتے رہتے ہیں جن کے متعلق وابستہ رکھنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اور زمین پر فساد پھیلاتے پھرتے ہیں۔

دوسرا امور ان امور قبیحہ میں سے یہ ہے کہ وہ قطع رحمی کے مرتکب ہوتے ہیں اور قطع رحمی ایک واضح دلیل ہے کہ قطع رحمی کرنے والا فطرۃ انسانی کو دھوکہ اور فریب کر رہا ہے کیونکہ تکمیل فطرۃ اور اس کا کمال یہ ہے کہ ان کے اندر صلہ رحمی پیدا ہو جائے۔

تیسرا امر یہ ہے اور یہ قبیح ترین امر ہے کہ انہوں نے افساد فی الارض کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ یہ تین امور برنامجہ مخالفین پر حاوی ہے جو قرآن کے برنامجہ اور دستور العمل کے سخت ترین مخالف تھے۔

اگر یہ امت اپنی اجتماعیت میں اعلیٰ سے اعلیٰ منزلیں طے کر کے بلند سے بلند درجہ کو پہنچ گئی ہے پھر وہ بطلان و فساد کے درجے پر آگئی تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے تمام اعمال و امور اول سے آخر تک خراب و فاسد ہو گئے ہیں کیونکہ درجہ فساد تک پہنچنے کے بعد بھی کچھ امور و اعمال صحیح اور مفید

ہوسکتے ہیں جن کا تغیر و تبدل جائز نہ ہو البتہ جب فساد عام اور غالب ہو جائے اور حد سے تجاوز کر جائے تو اس کا محو کرنا واجب ہو گا کہ اس کا وجود تک باقی نہ رہنے پائے اور اس وقت اس کو مٹا دینا حق کی نصرت ہو گا۔ اگر اس میں کچھ حق بھی تغیر ہو جائے گا۔ کیونکہ فاسد متغلب کے ساتھ کچھ صحیح باقی نہیں رکھا جا سکتا۔ نظر حکمت میں یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ البتہ وہ امور جو دعائم حق اور اصولی ہیں۔ اور جس سے فاسد کی تغییر سے ان دعائم اور اصول کی تغییر نہیں ہوتی ہے تو ان کو ان کی حالت پر چھوڑا جا سکتا ہے۔

اب اگر یہ مفسدین فی الامر اصل دعائم اور اصول کو خراب کر رہے ہیں اور ان کی اصلاح ابداً ممکن ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مفسد کسی اصلاح کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے تو ایسے لوگ جن کا برنامجہ، دستورالعمل، اور نظام و پروگرام ایسے امور قبیحہ پر حاوی ہے اور باوجود اس کے دعویدار ہیں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کے درجات پر کھڑے ہیں۔ اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوئے ہیں اور یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ بھی مسلمانوں کی طرح انقلابی ہیں۔ تو ان کا ضرر و نقصان اسلام کو بہت شدید و سخت ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے ان حقیر اشیاء کو جو قرآن نے پیش کی ہیں مسلمانوں کے سامنے پیش نہ کرتے۔ لیکن ان کی حقیقت ان پر منکشف اور واضح ہو گئی۔ مسلمانوں نے ان کی خبث نیت کو سمجھ لیا تھا۔ اور مسلمانوں کو اس سے بہت بڑا فائدہ پہنچا تو باعتبار نتیجہ کے ان حقیر اور خسیس کا ذکر کوئی عیب نہیں ہے۔

قولہ تعالیٰ	خدا کا فرمان!
أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ	یہی لوگ خسارے میں پڑے رہیں گے۔

کس طرح وہ لوگ فلاح پا سکتے ہیں جن کا "برنامجہ" دستورالعمل اور نظام و پروگرام وہ ہو جس کا اوپر ذکر ہو چکا؟

قولہ تعالیٰ	خدا کا فرمان!
كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ج ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ	بھلا اللہ کے ساتھ کیونکر ناسپاسی کرتے ہو تم محض بے جان تھے۔ تم کو جاندار بنایا۔ پھر وہ تم کو موت دیگا پھر تم کو زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف

لوٹائے جاؤگے۔

یہاں کفر باللہ سے مراد قرآن حکیم سے کفر کرنا مراد ہے کیونکہ اس سے پہلے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ پس جو لوگ کفر کرتے کہتے ہیں۔ اس مثال سے مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلاً اللہ نے کیا ارادہ کیا ہے۔

توان کا قرآن سے انکار اللہ تعالیٰ سے انکار نہیں ہے؟ اور قرآن پر اعتراض اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہیں ہے؟ اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض یہ کفر باللہ نہیں ہے؟ اور اسی بنا پر کہا ہے۔ تم قرآن سے کفر کیسے کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس قرآن کے ذریعے اپنی زمین کے خلفاء بنایا۔ کیونکہ خلافت ایک ایسا اہم امر ہے جو انسانیت اور اس کی جبلت وفطرت میں ودیعت کیا گیا ہے اور اس امر میں بہت سی صفات داخل ہیں جن میں سے ایک خلافت بھی ہے اور تم کو اور مومنین کو دو زندگیاں گھیرے ہوئے ہیں۔ تاکہ یہ دلالت اور راہ نمائی کریں کہ انسان امور عظیمہ کو گھیرے ہوئے ہے۔

پہلی موت کا اقتضاء حیات وزندگی ہے۔ اس میں قوت حیات پوشیدہ ہے اگرچہ اس کو موت کہتے ہیں۔ لیکن موت عدم محض کا نام نہیں ہے۔ ہم مرے ہوئے تھے تمہاری حیات بالفعل ظاہر موجود کیونکہ اس حالت میں حیات باقی تھی۔ اس کے بعد حکمت خالق یہ تھی کہ موت ان پر واجب کردی اور پھر ان کو زندہ کیا۔ یہ حیات وزندگی بھی موت کی مقتضی ہے تو یہ مرجاتے ہیں۔ پھر یہ موت حیات کی مقتضی ہے تو یہ زندہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد موت نہیں ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ سے اتصال ہوتا ہے۔

یہ تمام اطوار جو تم کو لاحق ہوتے ہیں۔ اس لئے لاحق ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں رجوع کرتا ہے۔ اور اس سے اتصال بہت اہم ہے اور ان امور کی اہمیت واضح اور ظاہر نہیں ہوتی ہے مگر خلافت سے:

خدا کا فرمان!	قولہ تعالیٰ
وہی ذات ہے جس نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں موجود ہے سب کا سب پیدا کیا ہے پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف پھر درست کرکے	ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ق ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ط وَھُوَ بِکُلِّ

شَیْءٍ عَلِیْمٌ (۲۹) سات آسمان بنائے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آسمانوں اور زمینوں کی تحقیق اسی لئے ہوتی ہے کہ ان سے منفعت حاصل کی جائے اور انسان ان دونوں پر اپنی خلافت قائم کرے۔ کیونکہ جلال خداوندی ہے اور اس کی عظمت اس وقت ظاہر ہوسکتی ہے جبکہ ان پر اپنی خلافت ظاہر کرے۔

قولہ تعالیٰ	خدا کا فرمان !
وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۳۰)	اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین پر اپنا خلیفہ بناؤں گا تو فرشتوں نے کہا کیا آپ اسے کو اس پر خلیفہ بناتے ہیں جو زمین پر فساد کرے اور خون ریزی کریں۔ اور ہم تیری حمد و تقدیس کرتے رہتے ہیں خدا نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

ملائکہ نے خونریزی کی نسبت اولاد آدمؑ سے کی ہے۔ نہ آدمؑ کی طرف۔ خدا تعالیٰ نے ملائکہ کا امتحان کرنا چاہا۔ اور اولاد آدم کے ہر ہر فرد سے جو مقصود ہے اس کا ذکر کیا اور ہر ایک کی تخلیق سے یہی مقصود ہے کہ زمین خداوندی پر خلافت قائم کریں۔

قولہ تعالیٰ	خدا کا فرمان !
قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ	اور آدم کو اللہ نے تمام نام سکھا دیئے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیں اور کہا ان لوگوں کے ناموں کی مجھے خبر دو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

اولاد آدم کو ملائکہ کے سامنے پیش کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ — ان لوگوں کے ناموں کی مجھے خبر دو۔

ملائکہ ان کو نہ بتا سکے اور اسی بناء پر ملائکہ زمین کی خلافت کے حق دار نہ بن سکے۔

قولہ تعالیٰ	خدا کا فرمان :

قَالَ یٰاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ

خدا نے فرمایا اے آدم ان کو ان لوگوں کے ناموں کی خبر دے جب آدم نے ان لوگوں کو ان کے ناموں کی خبر دی کہا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں۔ اور میں جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو پوشیدہ کرتے ہو خوب جانتا ہوں۔

حضرت آدمؑ نے ان کے نام تلا دیئے اور کہا یہ بڑھئی ہے، یہ لوہار ہے اور عمارت بنانے والے کاری گر۔ اور یہ تاجر و سوداگر ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور آدمؑ ان کو اپنی طبیعت سے جانتے تھے ان کی مقتضیات طبع سے واقف تھے اور ملائکہ ان کو نہیں جانتے تھے۔ ہمارے نظریہ کے مطابق بہت سی مشکلات جو مفسرین نے بیان کی ہیں خود بخود حل ہو جاتی ہیں۔ مفسرین نے ایسے ایسے جوابات دیئے ہیں۔ جن سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ بعا اوقات اس سے قرآن حکیم کی توہین ہوتی ہے اور قرآن حکیم کا وقار اس کی شرافت و بزرگی ان کے سینوں سے نکل جاتی ہیں۔

قولہ تعالیٰ

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

خدا کا فرمان!

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔

یہ امر خداوندی حضرت آدمؑ کی خلافت ارضی کا اعلان تھا اور یہ سجدہ اس تجلی کو تھا جو قلب آدمؑ میں موجود تھی۔ جب ملائکہ نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کر لیا۔ تو وہ آدم کے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے اور حضرت آدمؑ کی اطاعت اللہ جل وعلا کی اطاعت و پیروی تھی۔

ملائکہ مراد تمام ملائکہ نہ تھے۔ جن کی طرف ذہن مبتادر ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد ملاء سافل ہے اور امام ولی اللہ اپنی کتاب "الخیر الکثیر"[1] میں ان کو متعین کر دیا ہے۔ گو یہ تمام متعلین سے

---

(۱) امام ولی اللہ کہتے ہیں حضرت آدم کو سجدہ ہمارے نزدیک عنصریین کا سجدہ تھا اور ان میں سے ابلیس تھا نہ ملکیین کا سجدہ تھا۔ (دیکھو الخیر الکثیر ص۴۳)

خلاف ہے۔ کیونکہ امام شاہ ولی اللہ اس قسم کے مسائل میں متکلمین کی اتباع نہیں کرتے تھے۔ ان کی موافقت کو غیر ضروری سمجھتے تھے اور اس کی انھوں نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے اندر تصریح کردی ہے باوجود اس سے کبھی کبھی اہل زمانہ کی مراعات و مدارۃ کرلیا کرتے تھے اور ان کی موافقت میں تاویلات کرلیتے تھے۔ کیونکہ علماء عصر اس پر جبر نہیں کرسکتے تھے کہ متکلمین متقدمین کی مخالفت کی جائے اور اسی بنا پر امام ولی اللہ نے اپنی بعض مولفات میں کہا ہے (۱) ملاء اعلیٰ سافل کے سامنے متمثل ہوا جبکہ ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوا ہے۔ اور سب نے سجدہ کیا۔ تو یہ سجدہ تمام ملائکہ کی جانب سے تھا۔

قولہ تعالیٰ　　　خدا کا فرمان!

فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ　　　تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا۔

ملاء سافل مخلوقات خداوندی کی ایک جنس ہے جو نسمۂ حیوانیہ جسم انسانی ہے اور اس کے مشابہ ہے اور یہ نسمہ اس مخلوق سے اس طرح حاصل کرتا ہے جس طرح یہ عالم مثال حاصل کرتا ہے تو جس طرح جسم عناصر سے مستفید ہوتا ہے عالم مثال سے بھی مستفید ہوتا ہے۔ اور یہ جنات ہیں۔ ان کا وجود عالم مثال میں موجود ہے اور یہی مامور بہ سجدہ تھے۔ ملا سافل کے ساتھ ان سب نے سجدہ کیا مگر ایک صنف نے نہ کیا۔ اور یہی "ابالسہ" تھے۔ اس کی تحقیق ایک مقدمہ کی محتاج ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان حیوانیہ اور ملکیۃ سے مرکب ہے۔ ایک طائفہ حیوانات کا اس حیوانیہ سے موافقت کرتا ہے۔ جو انسانی وجود سے منضم ہے اور ایک گروہ ایسا ہے جو انسان سے کلیۃً متضاد اور خلاف ہے۔ مثلاً سانپ کہ اس کا گوشت انسان کو مضرت پہنچاتا ہے اس کی ساخت بالکل جداگانہ ہے۔ یہ حیوانات ادارۂ انسانیت میں عضو بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے اور اس لئے ان حیوانات کا ادارہ جنات کی ایک قسم سے وابستہ کردیا جو ملاء سافل سے مشابہ ہے اور اسی قسم کے جنوں نے حضرت آدم کو سجدہ نہیں کیا۔ اور ایک دوسری قسم جنات کی ہے جو حیوانات کی تدبیر کیا کرتی ہے

---

(۱) میں کہتا ہوں اس سے مراد ان کی کتاب "تاویل الاحادیث" مراد ہے اس کتاب میں لکھتے ہیں ملائکہ عنصریین جو عمل و کام کیا کرتے ہیں ان کو یہ امر کیا گیا تھا۔ آدم کو سجدہ کرو۔ اور ملائکہ ملاء اعلیٰ کو حکم کیا ان کی تقلید میں سجدہ کرو۔ دیکھو تاویل الاحادیث صنلہ

اور وہ اس حیوانیت سے وابستہ ہے جو انسان کے اندر موجود ہے ان جنوں نے ملاء سافل کے ساتھ حضرت آدم کو سجدہ کیا۔

قولہ تعالیٰ — خدا کا فرمان!

أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ — ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافر ہوگیا۔

ابلیس نے آدم کی خلافت سے انکار کیا۔ اس سے اس کا "کفر باللہ" ظاہر نہیں ہوتا۔ وہ تو حضرت آدمؑ سے ہمنازعت کرتا تھا۔ ان کی خلافت تسلیم نہیں کرتا تھا۔ وہ نسمہ بنی آدمؑ پر بواسطہ بعض انواع نبات کے وسوسے ڈالا کرتا تھا۔ اور بعض حیوانات کے قلوب میں وسواس پیدا کرتا تھا تاآنکہ وہ انسان کو سخت ضرر اور نقصان پہنچاتا ہے۔ اور انسان ہمیشہ اس سے خلاصی اور نجات کی فکر کرتا رہتا ہے۔

قولہ تعالیٰ — خدا کا فرمان!

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ — اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمھاری زوجہ

الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ — جنت میں رہا کرو۔ پھر اس میں سے بافراغت جہاں

شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ — سے چاہو کھاؤ اور دونوں اس درخت کے قریب

فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ — نہ جانا ورنہ دونوں ظالم بن جاؤ گے۔

جس جنت میں حضرت آدم اور ان کی بیوی رہتے تھے وہ جنت ارضی (یعنی زمین کی جنت) تھی کیونکہ ان کی حالت اس وقت طفولیت یعنی بچپنے کی تھی کہ دونوں سے دونوں کسب معاش اور اپنی ضروریات و احتیاجات کو پورا کرنے کے لئے کس طرح اور کہاں کہاں دوڑے پھر سکتے ہیں؟ اور اسی لئے ان سے کہا گیا:

قولہ تعالیٰ — اللہ کا فرمان!

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا — اور تم دونوں بافراغت جہاں سے چاہو کھاؤ

اور جنت کا حال اس وقت ان کے لئے ایسا تھا جیسے ماں اپنے بچوں کو دودھ پلایا کرتی ہے۔ اور جیسے اولاد کو دودھ چھڑانا ضروری ہے۔ اسی طرح ان دونوں کا جنت سے نکلنا ضروری اور متعین ہے جس طرح بچے اپنی ماں کا دودھ برضاء و رغبت اور بطیب خاطر نہیں چھوڑ سکتے کہ ماں اپنی چھاتیوں پر کوئی کڑوی اور بدمزہ چیز نہ لگالیوے۔ اسی طرح حضرت آدمؑ اور ان کی زوجہ جنت سے نکلنا

پسند نہیں کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے یہ کام لیا جس طرح کہ ماں اپنے بچوں کو دودھ چھڑانے کے لئے کڑوی چیز استعمال کرتی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے یہ کام لیا۔ لیکن اس کی صورت دوسری تھی۔ وہ نہ تھی جو ماں اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے کے لئے تلخ چیز استعمال کرتی ہے۔

ہمارے نظریئے کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان دونوں کا بقا جنت میں اس وقت تک تھا کہ جب تک حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی حوا بالغ ہو جائیں یہ دونوں کے دونوں بالغ ہو جائیں اور ان سے اندر وقاع اور جماع کی خواہش طبعی طور پر نہ ابھر آئے اور اس کے لئے وہ راہ نمائی نہیں پاتے تھے کہ کس طرح اس کی راہ پیدا کی جائے۔ کیونکہ یہ دونوں کے دونوں بچوں کے مانند تھے۔ اور اپنے مثل بچوں سے کبھی ملے نہ تھے تو یہ بہت سے امور اور بہت سے طریقے سوچے تھے۔ لیکن ان کی تحصیل کی راہ نہیں ملتی تھی۔ اور ہم اس کے واقعات بہت دیکھ چکے ہیں۔ اگرچہ اجتماعیت انسانیہ میں یا شہروں اور دیہات میں کم نظر آرہے ہیں۔

لیکن صحرا اور جنگل میں رہنے والے اور بدوی لوگ جو بالکل ملیپو رہتے ہیں اور مجتمعات کبیرہ سے دور رہتے ہیں یا ملیسے گھر جو اپنی اولادوں کو دوسرں کی اولادوں سے ملنے نہیں دیتے۔ ان میں یہ بلادہ اور غباوت بہت زیادہ ہوتی ہے۔

ابلیس اپنے جنیہ کو لے کر وہاں پہنچا اور جنت سے باہر اس نے جماع کیا۔ اور آدم و حوا نے ان کو دیکھا پھر ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ یہ کام تم بھی کرو تو انھوں نے بھی یہ کام کیا اور جنت سے نکل گئے یا نکالے گئے۔

پھر اس جماع کو جنت میں ایک درخت کی صورت میں مثل کیا گیا کیونکہ درخت ایک مدت کے بعد پھل لاتا ہے۔ اسی طرح جماع بھی ایک مدت کے بعد پھل لاتا ہے(۱) ابلیس نے حیلہ کیا اور اس درخت کی طرف اشارہ کیا۔ اور ان دونوں نے کہا اگر تم ایسا کرنا چاہو تو کر سکتے ہو تو انھوں نے اس درخت سے کھالیا

---

(۱) یہ کیا اور کیسا تھا۔ تفسیروں میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن کتاب اللہ اور کتاب الرسول کی اس بارے میں کوئی سند نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوسعید سندھی۔

اس وقت حضرت آدم و حوا پوری قوت میں تھے اور ان میں یہ قوت بہت وافر تھی جیسے کہ پورے شباب میں ہوا کرتی ہے۔ حضرت آدمؑ و حوا میں یہ قوت پوری پوری پیدا ہو چکی تھی۔ جیسی کہ ایک جوان میں پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی لئے جماع و ہمبستری پر پوری پوری قدرت انہیں حاصل تھی اور یہی فعل سبب بنا جنت سے ان کے نکلنے کا۔ جس طرح کہ کڑوی دوا لڑکے کے لئے چھاتی چھڑانے کا سبب ہوتا ہے۔ اور ان دونوں نے یہ سمجھ لیا کہ جنت سے نکلنے کا سبب ان کا یہ فعل ہوا ہے اور اسی لئے ان کو اپنے پر بھی ملامت کرنی چاہیئے

خدا کا فرمان !	قولہ تعالیٰ
پھر شیطان نے ان دونوں کو لغزش میں ڈال دیا اس درخت کی وجہ سے تو خدا نے ان دونوں کو اس چیز سے نکال دیا جس میں یہ دونوں تھے۔	فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ

شیطان نے دودھ چھڑانے کی کڑی دوا مہیا کردی اس کی وجہ سے اس کی طرف یہ بھی فعل منسوب ہوا کہ جنت ان کو اس کی وجہ سے چھوڑنی پڑی۔

خدا کا فرمان !	قولہ تعالیٰ
اور ہم نے ان سے کہا تم نیچے اتر جاؤ تم بعض بعض سے دشمن ہو گئے اور زمین پر تمہارا مستقر ہوگا اور کام چلانا ہوگا ایک وقت تک۔	وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ

یہی بات اور یہی اللہ تعالیٰ کا قول سبب تھا۔ انبعاث قوت اور احتراز و اجتناب کا کہ اپنی جانوں کی حفاظت کریں۔ اور یہی انبعاث ہے تمام ارتقائی ارتقاقات انسانی کی اصل و اساس ہے۔

خدا کا فرمان !	قولہ تعالیٰ
اس کے بعد آدم نے اپنے پروردگار سے چند کلمات حاصل کئے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی کیونکہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے بڑا مہربان ہے۔	فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

حضرت آدم کا یہی فعل ان کے جنت سے نکالے جانے کا سبب بنا۔ کوئی معصیت نہ تھی مگر یہ فعل کی صورت معصیت کی تھی کیونکہ یہ کام مقتضاء فطرت انسانی تھا بلکہ ان کا یہ فعل ان کے لئے جو مقدر تھا

اس کی تکمیل کے لئے تھا اس لئے کہ ان کی قدرت سے باہر ہے کہ غلبہ شہوت کی حالت میں اپنے عہود و مواثیق اور ترک جماع کا پاس کرے ۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھایا کہ یہ کوئی ایسا گناہ نہیں ہے ۔ جس جرم کا مواخذہ ہوسکے ۔ بلکہ یہ ایک جدید دور کی ابتدا ہے اور جدید نشاۃ تھی نیز اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ اشیاء صالحہ اور اچھے کام وہ کیا کریں ۔

جبکہ حضرت آدمؑ اپنی اولاد کا اجمال اور صورت انسانیہ کا عنوان تھے تو وہ تمام امور جو ان پر جاری ہوئے بعد کی انسانیت کے لئے شریعت قرار پاگئے ۔

قولہ تعالیٰ	خدا کا فرمان !
قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا	ہم نے کہا تم سب کے سب نیچے چلے چلو ۔

یعنی مع اپنی اولاد کے تم یہاں سے اتر جاؤ ۔ جو تم دونوں کے لئے ہوگا وہی ان کے لئے بھی ہوگا اور بسا اوقات یہ لوگ ایسی چیزوں کو ترجیح دیں گے جو ان کو ضرر اور نقصان پہنچائیں گیں جو ان کو نفع نہیں دیں گی اور باوجود اس کے اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا اور عمل صالح کی ان کو ہدایت فرمائے گا اور یہ ہدایت ان کے قلوب میں الہامات کے القاء سے ہوگی یا ان میں اذکیاء پیدا ہوں گے ان کے ذریعہ ہوگی ۔

قولہ تعالیٰ	خدا کا فرمان !
فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ	پھر اگر تمھارے پاس مری جانب سے تو جو شخص اس کی اتباع کرے گا تو ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔

تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ (جو شخص میری ہدایت کی اتباع کرے گا) جو ان میں سے میری ہدایت کی اتباع کریں گے تو یہ لوگ ترقی کے مناروں میں ہوں گے یہاں تک زمین خداوندی پر اللہ تعالیٰ کے خلفاء ہوں گے ۔

قولہ تعالیٰ	خدا کا فرمان !
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ	اور جو لوگ کفر کریں گے اور انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ جہنمی ہوں گے اور یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ۔

یعنی جس نے رجعت قہقری اختیار کی اور آگے اقدام نہ کیا زمین خداوندی پر اللہ کی خلافت نہ قائم کی تو ابلیس اور اس کا لشکر کا ساتھی ہوگا - حضر پہنچانے والا پست فطرہ جانوروں کا سا ہوگا - اور ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم کی تکالیف بھگتا رہے گا - اس اساس کا خدا نے حضرت آدمؑ ان کے بعد ان کی ولاد کو خدمت عالیہ اور عالمگیر اصلاحات کا الہام فرمایا - اور اس الہام کو پورا کرنے کے لئے قرآن حکیم نازل فرمایا - تو تم اس سے کفر وانکار کس طرح کرسکتے ہو - تم اپنی جبلت اور اپنی فطرت سلیمہ کی طرف رجوع کرو اس میں تنبیہ ہے کہ ان کی طبیعت اور جبلت سلیمہ میں یہ چیز ودیعت کی گئی ہے -

اور قرآن حکیم کا مقصد زمین خداوندی پہ متقیوں کے ذریعے خلافت ارضی کا قیام ہے - قرآن کے نور اس کی ہدایت ذریعہ اس طریقہ پہ مرکزا جتماع جو قرآن کی ہدایت کی رُو سے قائم کیا جائے -

تو کیا کتب سابقہ میں کوئی ایسی کتاب ہے جو ایسا اجتماع بنا سکے اور امتوں میں کوئی ایک ایسی امت بھی ہے جو خلافت قائم کرسکے - جب یہ ممکن نہیں تو یہ ممکن نہیں تو یہ قرآن متقیوں کے ہدایت ہے اور یہ قرآن کے لئے بہترین ثبوت ہے -

یہ خلاصہ ہے ان آیتوں کا جو ہم نے - ۳۹ - آیتوں تک پڑھی ہیں -

اور (۴۰ سے آیت ۱۵۰) بنی اسرائیل کے ساتھ مذاکرہ ہے اور ۱۵۰ سے آخر سورۃ تک نکام اقامت خلافت کی تفصیل ہے - جس طرح کہ ابتداء سورۃ سے آیت (۳۹) تک اس اجمال کی تفصیل ہے اور (۴۰ - سے - ۱۵۰) تک جملہ معترضہ ہے اور میں ان آیتوں کا ربط ماقبل اور مابعد کے نہیں جانتا تھا - یہاں تک کہ ہندوستان کے بعض لوگ جو عیسائی ہو گئے ان کی کتاب مجھے مل گئی اس صاحب کتاب نے اس میں لکھا ہے -

"توراۃ اور انجیلوں کی موجودگی میں قرآن کی ضرورت نہیں ہے کہ تورات اور انجیلیں لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی نہیں ہیں"

اس کتاب سے میں خبردار ہوا کہ قرآن کی سخت ضرورت تھی اور توراۃ وانجیلیں کافی نہیں ہیں اور مفید نہیں ہے تو جن آیتوں کو میں نے جملہ معترضہ قرار دیا تھا - ضروریات انسانی کا عنوان قرار دیا - اللہ سبحانہ نے بنی اسرائیل قبائح اعمال کا ذکر کیا - اور جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں انہوں نے انکا کفر وانکار کیا، تین فصلوں میں ہم نے منقسم کردیا اور ہر فصل کی ابتداء "یا بنی اسرائیل" سے کی -

اللہ تعالیٰ نے پہلی فصل میں بنی اسرائیل کو ایک تنبیہ فرمائی اور اصولی خطائیں بنی اسرائیل کی واضح کیں اور ان کو آگاہ کیا کہ ہر وہ امت جو ایسی خطائیں کرے گی دوسری امتوں سے متقدم۔ اور ان کی پیشوا نہ ہوگی۔ اور یہ اصول بنی اسرائیل کے نزدیک مسلم تھے اور ان سے وہی شخص انکار کرسکتا جو ان کے قبح پر ایمان نہیں لائے اور ان کی طرف التفات نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو وہ نعمتیں یاد دلائیں جو ان کو دی گئی تھیں اور ہم قرآن کے ذریعہ جانتے ہیں کہ لغت قرآن میں نعمت سے کیا مراد ہے۔ نعمت سے مراد علم وحکمت اور "نظام" و "قرآن" ہے اور پھر اس علم وحکمت کے مطابق حکم کرنا مراد ہے اور علم وحکمت سے موافق حکم کرنا منسوب الی اللہ عزوجل ہے۔

جب ان کی حاجتیں اور ضروریات افراد امت کی پوری ہوں اور بغیر مشقت اور بلا کلفت پوری ہوں اور یہ صفات ان کے اندر مجتمع ہو جائیں اور وہ حکم خداوندی اور اس طریقے کے مطابق ان کی حاجات پوری ہوں جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تو لغت قرآن میں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اپنا انعام فرمایا۔

پس اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنا انعام فرمایا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور کس زمانے میں کیا مثلاً حضرت موسیٰؑ حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں کیا گیا۔

خدا کا فرمان!	قولہ تعالیٰ
اے بنی اسرائیل یاد کرو تم لوگ مرے احسان کو جو کچھ میں نے تم پر کئے ہیں اور پورا کرو تم میرے عہد کو۔ پورا کروں گا میں عہدوں کو اور تم صرف مجھ سے ہی ڈرتے ہو	يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ (۴۰)

بنی اسرائیل اس زمانے میں ایسے تھے کہ کوئی قوم اور کوئی امت ان کے برابر نہیں تھی بلکہ تمام امتیں ان کو اپنا امام و پیشوا تسلیم کرتی تھیں اور یہ کتاب جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آئی ہوئی ہے حکمت و قانون کا متن ہے اس میں تاکید بلیغ ہے یہ انعامات تم میں ہمیشہ باقی نہیں رہیں گے مگر اس وقت تک تم احکام خداوندی پر مستقیم اور ثابت قدم رہو گے اور یہ کتب انبیاء بنی اسرائیل میں بار بار آچکا ہے تو جب ان کا دعویٰ ہے کہ یہی لوگ امام بنیں گے اور ان کی کتاب اس کے لئے کافی ہے۔ دوسری کتابوں کی ضرورت نہیں ہے تو ہدایۃ ہر انسان یہ جانتا ہے کہ اس صورت میں ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی کتاب پر عمل کریں اور جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہوا ہے اس پر عمل پیرا ہوں۔ اپنی کتاب کے احکام کی استقامت کے بغیر تقدم و پیشوائی

کے وہ حقدار نہیں ہیں اور ان لوگوں نے تو سارے احکام ترک کردیئے تھے اور یہ وہ خود جانتے تھے۔ ان کے اجتہاد سے واقف تھے ان پر یہ پوشیدہ نہیں ہے۔

قولہ تعالیٰ — خدا کا فرمان!

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ — اور اس پر ایمان لاؤ جو میں نے اتارا ہے وہ تصدیق کرتا ہے جو تمھارے پاس ہے

اور ان کی کتابوں میں متعدد بشارتیں موجود ہیں کہ "ایک نبی بنی اسمٰعیل میں حضرت موسیٰ جیسا ہوگا" اور یہ بشارۃ آج تک ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ تو جب ان کا دعویٰ ہے کہ یہ لوگ طریق ابراہیمؑ اور ان کی ملت پر ہیں تو ان کا پہلا فرض تھا کہ اس پر ایمان لائیں جو ان کی کتابوں کی شہادۃ کے مطابق ہے کیونکہ تمام انبیاء کرام مثل ایک نبی کے ہیں۔

اس نبی نے اپنی نبوت پر حجتیں اور دلائل اور براہین پیش کئے ہیں ان پر الزام لگایا گیا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی کتابوں پر قطعاً عمل کر دیا ہے اور تمام کتابوں کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور اس نبی نے یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ تمام دنیا جہان کی ہدایت کے لئے آئے ہیں کہ لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر انہیں تقدم و پیشوائی کے لئے آگے بڑھائیں اس کے معنی نہیں ہیں کہ جس قدر ان کے پاس موجود ہیں ان سب کی تصدیق کرتا ہے جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہی ہیں کہ قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے جو بشارہ توراۃ میں ان کے پاس موجود ہے۔ اور جب یہ لوگ اس بشارۃ کے موافق کہ "ایک نبی بنی اسمٰعیل میں سے مبعوث ہوگا" اس پر ایمان نہیں لائے تو ان کا ایمان نہ اس پر ہوگا نہ اپنی کتابوں پر ہوگا۔

اب رہا قرآنی احکام کے مطابق ہیں یا نہیں ہیں تو یہ ایسا امر ہے جو احکام کی حکمت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اصول احکام تو جب تک فطرت انسانی باقی ہے تبدیل نہیں ہوں گے اور جب تک آسمان و زمین باقی ہیں۔ فطرت انسانی تبدیل نہیں ہوگی۔ کیونکہ اسباب سماویہ اور ارضیہ کے تسلسل سے زمین پر فطرۃ انسانی موجود ہے۔

پھر یہ کہ بعض احکام ایسے ہیں جو کبھی کسی حال میں تبدیل نہیں ہوسکتے اور بعض ایسے احکام ہیں جو مخصوص زمانے اور مخصوص حالات سے تعلق رکھتے ہیں اور ایسے احکام اس پیغمبر کی زندگی ہی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس حکم کا بقا اور تبدیلی معرفت حکمت پر موقوف ہے اور بعد والے نبی پر واجب نہیں ہے کہ تمام احکام

متقدمہ کے موافق ہو البتہ فقط اصول میں موافقت لازم اور ضروری ہے اور اسی بنا پر قرآن کے متبعین پر تمام احکام کی اتباع واجب و ضروری نہیں ہے اور قرآن سے یہ قطعاً مراد نہیں ہے کیونکہ قرآن میں وارد ہے :

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ — وہ تصدیق کرتا ہے جو اس کے پاس ہے ۔

اور یہ تصدیق بشارۃ ہی ہے فقط

قولہ تعالی — خدا کا فرمان !

وَلَا تَكُونُوٓا أَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهِۦ — اور اس کے ساتھ پہلے کفر و انکار کرنے والے نہ ہو ۔

یہ خطاب مدینہ کے اہل کتاب سے ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان سے خطاب کرتا ہے کہ اگر تم کفر کروگے تو بعد میں جاکر تمھاری اقتداء بنو اسمٰعیل بھی کریں گے تو اس کا گناہ بھی تم پر ہوگا ۔

اس خطاب میں یہود مدینہ کی تخصیص بدیہی اور ظاہر ہے اور اس تخصیص سے سورۃ کی بہت سی آیتوں میں اشکال پیش آتا ہے ۔ اس میں مدد مل سکتی ہے ۔ لوگوں نے ان آیتوں کو سمجھا نہیں ۔

يَسْـَٔلُكَ أَهْلُ ٱلْكِتَـٰبِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَـٰبًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِ — ان اہل کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ آسمانوں سے ان پر بھی ایک کتاب اتاری جائے ۔

اس میں بالکل شک نہیں کہ یہ سوال ان لوگوں کا تھا جو مدینہ میں رہتے تھے نہ کہ کل اہل کتاب سے اس سے بہت سی مشکلات خود بخود حل ہو جاتی ہیں ۔

اور

وَإِن مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِۦ قَبْلَ مَوْتِهِۦ — بعض اہل کتاب ایسے ہیں کہ اپنی موت سے پہلے ایمان لے آئے ہیں ۔

یہاں اہل کتاب فقط یہود مدینہ مراد ہیں ۔ اس میں یہ بشارۃ و خوشخبری ہے کہ یہود مدینہ میں سے کوئی بھی ایمان لائے بغیر نہ رہے گا ۔ اس نبی پر ان کی موت سے پہلے ضرور ایمان لے آئے گا ۔ بطیب خاطر ایمان لائیں گے جو ان کو نفع پہنچائے گا ۔ یا علی رغم الف اس کو تسلیم کریں گے اور اس رسول کے احکام پر چلیں گے

وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَـٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّـٰىَ فَٱتَّقُونِ — مری آیتوں کو تھوڑی قیمت کے مقابلہ میں فروخت نہ کرو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو ۔

جب تمام اہل علم اس سے پھر جائیں اور مرافق حیات دنیا میں الجھ جائیں اور احکام الہی کو ترک کر دیں

اور یہ احکام ایسے ہیں کہ اگر ان کی تصدیق کریں اور ان پر عمل کریں تو بڑی بڑی نعمتیں انھیں حاصل ہوں پس ایسے لوگ

اِشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا جنھوں نے مری آیتوں کو تھوڑے داموں فروخت کردیا

میں داخل ہوں گے اور یہ ایک بہت زبردست تنبیہ ہے اخلاق علماء بنی اسرائیل کے بارے میں کہ علماء بنی اسرائیل میں یہ نقص بدرجہ اتم موجود تھا۔

اور

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور تم حق کو باطل سے ملبس نہ کرو اور جان بوجھ کر تم حق کو چھپاتے ہو۔

دین دو قسم کے اعمال و امور پر مشتمل ہے ایک مقصود بالذات ہیں یہ دوسرے مقصود بالذات کے ذرائع و وسائل ہیں تو جو شخص ذرائع و وسائل کو مقصود بالذات گردانے تو اس نے حق کو باطل سے مخلوط کردیا اسی طرح وہ شخص جو مستحبات، ادب و سنن کو واجبات اور فرائض گردانتا ہے اور مستحب و سنن کی حقیقت کو نسیا منسیا بھلادیتا ہے اس حکم میں داخل ہے جیسا کہ ہمارے شہروں میں ہو رہا ہے ان کے لئے اہم اور مقصود بالذات ہندوستان کو غلامی سے آزاد کرانا تھا۔ ان کو ان سے آزاد کرانا تھا۔ اکثر لوگ اس کو بھلا بیٹھے اور ایک چھوٹی سی جماعت کے سوا کوئی اس فرض کو انجام نہیں دیتا اور یہ جماعت امام ولی اللہؒ کے اتباع و پیروں کی جماعت ہے اور گائے ذبح کرنا دین کا اہم رکن سمجھ بیٹھے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ گائے کا ذبح کرنا ہندوستان کی فتح کے ابتداء میں تھا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں تفریق پیدا کر دی جائے اور یہی ذریعہ تھا ان پر غلبہ پانے کا لیکن لوگ اس کو بھول گئے اور اس کو فرض و واجب سمجھ بیٹھے۔

دوسری مثال

تمام مسلمان کے نزدیک اصل دین قرآن اور احادیث اور صحیح شروح و حواشی ہیں اور اسی طرح منطق، نحو اور صرف، معانی اور بدیع و بیان، اصول فقہ، اصول حدیث ہیں۔ یہ کل کے کل قرآن تک پہنچنے اور قرآن سمجھنے کے ذرائع و وسائل ہیں لیکن لوگوں نے ان فنون و ذرائع کو مقصود بالذات سمجھ لیا اور قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا ایک چھوٹی سی جماعت جو امام ولی اللہ کی پیرو ہے وہ ایسا نہیں کرتی۔ بلکہ مقصود بالذات کو مقصود بالذات اور ذرائع و وسائل کو ذرائع و وسائل ہی سمجھتی ہے اور ظاہر ہے ایسا کرنا کتمان حق، حق کو باطل سے خلط ملط کرنا ہے اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہود کا یہی حال اور یہی صفت تھی(۱)۔

حاشیہ اگلے صفحہ پر

انبیاء کرام ایسے شرائع اور قوانین پیش کرتے ہیں جن سے مقاصد دین حاصل ہوں۔ ان شرائع اساس دو چیزیں ہیں اول اقامت صلاۃ، یعنی نماز پڑھنا۔ یہ اس لئے ہے کہ حظیرۃ القدس کی طرف توجہ ممکن ہو جائے اور ہر شخص جو کتاب اللہ ان پر نازل ہوئی اس پر غور و تدبر کرے۔

دو اساس دوم ایتاء الزکات ہے اور مقصد زکاۃ ارتفاقات ضروریہ میں لوگوں کا اشتراک ہے۔ ہر انسان کے بعد کچھ ایسا مال ہوتا ہے جو اس کی حاجت ضروریہ سے فاضل ہوتا ہے اس پر واجب ہے کہ یہ مال لوگوں پر خرچ کرے۔ جب لوگ ان دو اصولوں پر عمل کریں گے۔ اور یہ دونوں لوگوں میں عام ہو جائیں گے تو محل و مقام اجتماع متعین ہوں گے۔

اور مسجدیں اور کنیسے جن میں لوگ ادا فرائض کے صفیں باندھتے ہیں اور جماعت کے ساتھ خدا کو یاد کرتے ہیں۔

یہی دو اصلین اصول شرائع میں سے ہیں۔ کسی دین کے پیرؤں کے لئے ان کو ترک کرنا جائز نہیں ہے اور یہود تھے کہ ان دونوں اصولوں کی تعمیم میں تکاسل اور سستی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آیت سے تنبیہ فرمائی۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ — تم نماز پڑھا کرو اور زکاۃ دیا کرو اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ — کیا غضب ہے کہتے ہو دوسرے لوگوں کو نیک کام

---

(۱) امام ولی اللہؒ نے "فوز الکبیر" میں یہود کے قبائح اور برائیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

حاصل کلام یہ کہ اگر تم چاہو کہ یہود کا نمونہ دیکھو تو تم علماء سوء کو دیکھ لو۔ جو دنیا کے طالب ہیں اور اگلوں کی تقلید کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور نصوص کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعاً چھوڑ بیٹھے ہیں اور علماء کے تشدد و تعمق اور استحسان کو ایسے لے بیٹھے کہ انھوں نے حضرت شارع معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی اعراض کر لیا اور احادیث موضوعہ اور تاویلات بعیدہ فاسدہ پر تکیہ کر لیا اور یہی ان کی ہلاکت کا سبب ہوگا۔

(دیکھو فوز الکبیر ص۹ طبع متبر بہ مصر) ابو سعید سندھی

اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

کرنے کو اور نیک کام سے میرے رسول پر ایمان لانا ہے اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم کتاب پڑھتے رہتے ہو تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے ۔

جو مدرس پڑھاتا ہے اس کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اس کتاب کو اس وقت تک نہ پڑھائے جب تک جید اور عمدہ طریقہ پر خود اس کی تعلیم حاصل نہ کر لیوے ۔ اسی طرح داعی کے لئے یہ جائز نہیں کہ جب تک وہ اپنے اندر اخلاق نہ پیدا کر لیوے ۔ دوسروں کو دعوت دے اور جس کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اس پر پہلے خود عمل نہ کرلے اور جو شخص اس کے خلاف عمل پیرا ہوگا ۔ اور شرائط پوری نہیں کرے گا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول صادق آئے گا ۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (الآیۃ)

کیا دوسروں کو نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں ۔

اور یہود خود اس قسم کی غلطیاں زیادہ کرتے تھے تو خدا نے ان کو آگاہ فرمایا ۔

قولہ تعالیٰ : خدا کا فرمان

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط

تم استقامت چاہو صبر اور نماز سے ۔

جب کوئی شخص اپنی بری حالت کی اصلاح چاہتا ہے اور اس راہ پر چلنے کا ارادہ کرتا ہے جو اس سے بہتر ہے اور اپنی غلطیوں اور خطاؤں سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے سامنے بہت سی مشکلات اور عوائق پاتا ہے جو اس کو اس سے روکتی ہیں اور منع کرتی ہے مثلاً بسا اوقات لوگ اس کو پھینک دیتے ہیں ۔ اس سے مقاطعہ کرنے پر تل جاتے ہیں ۔ جس سے اس کا نظام زندگی مختل ہو جاتا ہے اور ضروریات زندگی کا حصول مشکل ہو جاتا ہے ایسی حالت میں اس کو چاہیئے کہ وہ مصائب پر صبر سے کام لے اور مصائب و مشکلات کی پرواہ نہ کرے اور اس حالت میں وہ صبر اور نماز سے کام لے کیونکہ صبر علی الحق کے یہی معنی ہیں کہ حق پر ثابت قدم رہے اور رجعت الی اللہ یہی وسیلہ اور ذریعہ ہے کہ وہ نماز پڑھا کرے ۔

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

اور یہ نماز بے شک دشوار ہے مگر خاشعین پر دشوار نہیں ہے ۔ خاشعین وہ لوگ ہیں کہ جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور اس کی

طرف بہ رجوع کرنے والے ہیں۔

یعنی ان کی مصائب استعانت بہت سخت ہے لیکن ان کو پست کرنا اور زیر کرنا فلسفۂ عقلیہ سے تمسک کرنے سے آسان ہے اور فلسفۂ عقلیہ رجوع الی اللہ اور تمام احوال میں صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور انسان رجوع الی اللہ کرنے پر اپنی فطرت سے مجبور ہے اور انسان اس کے لئے ایسا محتاج ہے جیسا کھانے پینے کا محتاج ہے۔ اور دیندار اور زندیق دونوں اس میں برابر ہیں۔ جب انسان ان کو سمجھ لے جس سے اس کی فکر صاف ہوجائے۔ پھر وہ کسی آدمی کو پائے جس کو اتصال خداوندی حاصل ہے اور اس کی صحبت وملازمت میسر آگئی اور اس سے اس نے اخذ کیا تو اس سے اس کا قلب مطمئن ہوجاتا ہے تو اس وقت اپنے مصائب پر صبر وصلاۃ سے استقامت آسان ہوجاتی ہے ——— اور صحبت واصلین باللہ اور استقامت صبر وصلاۃ سے ایک جماعت کی ایجاد ہے اور مقصد یہی ہے کہ واصلین باللہ کے زنگ سے بہ زنگ جائیں۔ جو کاملین فی الہدایت ہیں۔

اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ یہود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی طرف متوجہ اور خلق ان سے حاصل کریں اور اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے موافق کرلیں۔ یہ ارشاد اگرچہ عام ہے۔ لیکن اس میں یہود کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔

گویہ لطیف قسم کا ارشاد ہے کہ یہود آپ کے صحابہ کی طرف متوجہ ہوں اور ان سے یہ اخلاق حاصل کریں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال پیش کریں۔

یہ ارشاد اگرچہ عام ہے۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے طریقہ کی طرف جو آیتیں بھیجی ہیں۔ روئے زمین پر سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے کوئی نہیں ہے۔

یہاں یہ فصل ختم ہوئی اور تنبیہات اجمالیہ بدیہہ بھی پوری ہوگئیں۔

اور اب فصل ثانی آیت —۴۷— شروع ہوتی ہے۔ اس میں اس اجمال کی تفصیل ہے جو پہلی فصل میں مذکور ہیں۔

پھر یہ فصل تین عنوان میں منقسم ہوتی ہیں۔

پہلا عنوان یہ ہے کہ بنی اسرائیل حق کے مقابلہ میں نمرود سرکشی سے کام لیتے تھے۔ اور اس کے عادی ہوچکے تھے۔ اور ان کی عبودیت وغلامی فراعنہ مصر کے زمانے سے چلی آتی تھی اور حق کو قبول کرنے سے ہچکچاتے

عنوان ثانی: فصل دوم سے اس بیان میں ہے کہ بنی اسرائیل ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچے ہوئے اصل مرض سے ان کو نجات نہ ملی اور اس عیب سے وہ پاک وصاف نہ ہوئے اور ان کے مختلف حالات اور یکے بعد ان کی مختلف شانوں سے ظاہر ہے۔

اور عنوان ثالث: اس فصل کا اس کے بیان میں ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان یہود سے قطعی اجتناب کریں۔ ان سے ہرگز ہرگز اختلاط پیدا نہ کریں۔ ان سے کسی بہتری کی امید نہ رکھیں اور کسی حال میں ان کے ساتھ شرکت کو روانہ رکھیں۔ اور ان سے کسی چیز سے اپنے کو مقید وملوث نہ کریں۔

اس کے بعد فصل ثالث آتی ہے جن میں ان کی تذکیر ان کی کتابوں سے اور مسلمانوں کو ان کی موافقت سے ممانعت، کیونکہ ان کا عناد حق کے مقابلے میں معلوم ہو چکا ہے اور یہ بطلان وفساد پر تلے ہوتے ہیں اور یہ فصل آیت (۱۳۲) سے شروع ہوتی ہے۔

عنوان اول فصل ثانی

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۴۷

اے اولاد یعقوب مری وہ نعمتیں تم یاد کرو جو تم پر میں نے کی تھیں اور اس بات کو یاد کرو میں نے تمھیں دنیا جہاں پر فضیلت دی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو بنی اسرائیل کو دی گئی تھیں پھر ان کی فضیلت جو تمام عالمین پر ان کو دی گئی تھی۔ اس کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ کوئی امت زمین پر اعلیٰ جاہ و سطوت اور قوت میں بنی اسرائیل سے بڑھ کر کوئی نہیں تھی۔ اور پھر بہتر سے بہتر حکم اور حکمت کے مالک تھے۔ اس "العالمین" کے معنی واضح ہو گئے کہ اس سے مراد تمام امتیں اور تمام قومیں ہیں۔

ہندوستان کے ایک آدمی سے میں نے کہا کہ ان پر یہود فضیلت رکھتے تھے۔ کیونکہ یہود نے اپنی تاریخ محفوظ رکھی ہے۔ اور ہندوستان نے اپنی تاریخ محفوظ نہیں رکھی اس آدمی نے اس کا اعتراف کیا پھر میں نے اس سے کہا دنیا کی کوئی امت ایسی نہیں ہے جس کے پاس اس کی تاریخ محفوظ ہو سوائے بنی اسرائیل کے کہ ان کے پاس ان کی تاریخ محفوظ ہے۔

علوم و فنون کی تکمیل اسی وقت ہوتی ہے جب مختلف جماعتوں کے افکار اور مختلف زمانوں کے لحاظ سے ان کی تاریخ معلوم ہو اور اسی بنا پر تاریخ کی محافظت واجب وضروری ہے۔

جب ہم نے معلوم کر لیا کہ ان لوگوں نے اپنی تاریخ محفوظ نہیں رکھی اور بنی اسرائیل نے محفوظ رکھی تو ثابت ہو گیا کہ تحقیق دین میں یہود ان سے مکمل واکمل تھے اور دنیا کی تمام امتوں سے اکمل تھے۔

تنبیہ

بنی اسرائیل کے بعد دین کی تحقیقات میں کوئی بھی نہ اٹھا ہمیں افسوس ہے کہ تحقیقات تاریخ میں ہندوستان نے کوئی توجہ نہیں کی۔

ہم اس پر کچھ زیادہ کہنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے تحقیقات دین کے متعلق کوئی نہیں اٹھا۔ ہندوستان کی آبادیوں اور شہروں کے متعلق ہمیں عموماً افسوس کرنا پڑتا ہے کہ یہاں کے لوگ تاریخی تحقیقات اپنی کتاب کی تفسیر کی طرف پوری طرح توجہ نہیں کرتے نہ تاریخ اور تفسیر کتاب اللہ کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے یہی دو چیزیں تحقیق ملت اور اس کی تقویت کے لئے بہت اہم اور اعظم ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

اور ہم خدا کی حمد و شکر ادا کرتے ہیں کہ ان دونوں یعنی تفسیر اور تاریخ کی ترقی کے لئے بہترین صالح بیج حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اتباع و پیرو بو گئے۔ جس سے بعد والے مستفید ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

قولہ تعالیٰ

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۴۸

خدا کا فرمان!

اور ڈرو تم اس دن سے کوئی ایک دوسرے کی شی کی جزا اور بدلہ نہیں پائے گا اور نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس سے معاوضہ لیا جائے گا۔ اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا۔

اور ہمارے نزدیک "واتقوا" کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے تقویٰ کو اس دن کے لئے آگے بھیج دو جس دن تمہارے تقویٰ کی فضیلت و برتری تمہارے سامنے بقدر تمہارے تقویٰ کے تمہارے سامنے

پیش کی جائے۔

اور تقویٰ کا اثبات عدل وانصاف اور احسان اور ذوی القربا کو دینے سے ہوتا ہے اور یہی تقویٰ ہے۔ اور ہم نے اس سے معلوم کر لیا کہ تمام شرائع کا مقصد واحد ہے اور وہ اقامت عدل وتقویٰ ۔ اور یہ آیت قرآن کی ثابت کر رہی ہے۔ نیز اس قسم کی بہت سی آیتیں مکرر سہ کرر قرآن میں آئی ہیں اور ہماری ملت نے اس پر بہت بڑی بڑی بحثیں کی ہیں اور یہ بحثیں اس لئے وجود میں آئی ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا یہ قول۔

لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ کسی کی جانب سے سفارش قبول ہوگی۔

سے یہاں مراد ہمارے نزدیک شفاعت بالاذن ہے اور یہ شفاعت اعمال انسانی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے پس نفی شفاعت اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہے اور شفاعت کے معنی کی تحریف سے انسانی اخلاق فاسد اور خراب ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ شخصی مسئولیت ہی اخلاق کی اساس وبنیاد ہے۔ تمام وہ امور جو متشرع لوگوں نے بیان کئے ہیں۔ مثلاً کفارہ اور شفاعت تو اس آیت سے مردود ثابت ہوتے ہیں اور سمجھدار فطین آدمی روایات صحیحہ کی تاویل اس آیت کے خلاف اور آیت کے مفہوم کے خلاف اور ان کی تطبیق میں کرتے ہیں۔ ان کو شرمانا چاہیئے۔ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ہر طالب علم یہاں رک جائے۔ اور اس بارے میں پوری پوری تحقیق کر لیوے۔ اگر روایات کی تاویل اس کے نزدیک ناممکن ہے تو ایسی روایات قبول کرنے میں توقف کرے۔ اس کے لئے قطعاً جائز نہیں۔ آیت کے مفہوم کو کسی تاویل اور کسی وجہ سے باطل وفاسد ہونے دیوے۔ کیونکہ یہ آیت محکمات میں سے ہے جب تک آسمان وزمین باقی وقائم ہیں۔ تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

ہم حکمت امام ولی اللہؒ میں کلمہ "العبد بالطبع" کا ذکر کر چکے ہیں[1] کہ ایسا آدمی اجتماع انسانی سے خارج ہے اور وہ عام حیوانات کے زمرہ میں داخل ہے تو ہر شخص جو اپنی مسئولیہ کا احساس نہیں کرتا وہ

---

(۱) "العبد بالطبع" وہ شخص ہے جو اپنی معاش میں ضعیف وکمزور اور دون ہمتی کی وجہ سے مجبور ہو۔ اس کی شان تو یہ ہونی چاہیئے کہ وہ اتباع اور انقیاد میں سرگرم عمل ہو اور ایسا آدمی کبھی آرام طلب اور بیکار نہیں رہا کرتا۔ (دیکھو البدور البازغہ صفحہ ۶) ابوسعید سندھی۔

"العبد بالطبع" ہے۔

ہم اپنے اجتماع اور اجتماعیۃ سے اپنی اولاد اپنی عورتوں پر تحکم واستبداد کو باطل کر چکے ہیں۔ کیونکہ یہ یہ تحکم و استبداد اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ لوگ اپنی شخصیات اور اپنی ذات کی مسؤلیت کو بھی فراموش کر گئے ہیں۔

میں اپنی ذات کو اس بارے میں پیش کرتا ہوں۔ جب میں آگاہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف میں نے رجوع کر لی۔ خدا میری مغفرت فرمائے۔

مجھے بہت محبوب و پسندیدہ ہے کہ ہر شخص ہر آدمی نہایت دقتہ نظر سے اپنے نفس کا محاسبہ کرے اسی طرح یہ بھی محبوب و پسندیدہ ہے کہ وہ اپنی شخصیات کو ثابت و باقی رکھتے ہوئے ان پر حکم کرے۔

ہم نے بہت سے گھر ایسے دیکھے ہیں۔ جن میں پوری پوری فوضویۃ کام کر رہی ہے جن میں کسی خیر و بہتری کی امید نہیں ہے۔ لیکن میرا گھر ایک منظم گھر تھا اور میرے گھر میں میری حکومت ایک مسلمہ حکومت تھی۔ یہاں تک کہ مسؤلیت اشخاص کو جو میرے تابع تھے اس کو باطل کر دیا تھا میں اپنی خطا اور غلطی پر آگاہ ہوا کہ میں نے ان کے حقوق شخصیہ کو بالکل سلب کر لیا ہے اور جبراً ان پر اپنا تسلط قائم کر رکھا ہے میں نے ان کی حریت و آزادی اور مسؤلیۃ شخصیۃ کو آزاد کر دیا لیکن میری حکومت بدستور قائم رکھی۔

مجھے محبوب و پسندیدہ ہے کہ تمام ارباب حل و عقد اپنے گھروں کا نہایت دقت نظر سے محاسبہ کریں۔ اور گھروں کی حکومت باقی رہے اور مسؤلیۃ شخصیہ بالکل نہ ہونے پائے۔

میں بحمد اللہ اپنی ذاتی اصلاح سے بہت مسرور اور خوش ہوا میں نے اہل اپنے وطن میں چھوڑا۔ میں نے ان کے لئے مستقبل کا کوئی برنامج اور پروگرام نہیں بنایا تھا۔ کیونکہ نوائب احوال عمومیہ اور مشکلات و دشواریوں نے مجھے اس کی فرصت ہی نہ دی۔ میں نے دیکھا کہ میری اہل میں سے تمام کے تمام اپنی جانوں پر اعتماد و بھروسہ رکھتے تھے اور اپنے رب پر توکل و بھروسہ رکھتے تھے۔ تمام کے تمام نے مشکلات اور تکالیف سے نجات پائی بعد میں جاکر ان تمام نے اعتراف کیا کہ میں نے ان کو اچھی تربیت دی تھی۔ جس کی وجہ اور سبب سے تمام مشکلات اور دشواریوں کو یہ لوگ حل کر سکے۔ اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے

یہ اعتقاد، یعنی اعتقاد کفارہ اور اعتقاد شفاعت وغیرہ مسؤلیۃ شخصیۃ کو فاسد اور باطل کر دیتا

ہے شفاعت کا اعتقاد ہم بھی رکھتے ہیں لیکن ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ شفاعت نتیجہ اور ثمرہ ہے انسانی اعمال کا، جن کو فرشتوں نے لکھا نہیں۔ اور خدائے وحدہ کے سوا دوسرا کوئی مطلع نہیں ہوا ہے۔ وہ کسی عامل کے عمل و کردار کو ضائع نہیں کرتا۔ اگرچہ وہ رائی کے دانہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ اور ان اعمال کی بھی جزاء اور بدلہ ملے گا جو عامل و حاکم کے بعض خواص کرتے ہیں جن کا تعلق عامل و حاکم سے ہے۔ یہ خواص کہتے ہیں کہ اس کی شفاعت وسفارش حاکم و عامل کے سامنے پیش کرے۔ اس قسم کا اعتقاد شفاعت وسفارش کے متعلق مسئولیۃ شخصیہ کو باطل نہیں کرسکتا۔ ہر آدمی پر واجب وضروری ہے کہ اپنی اولاد اور اپنے اتباع کو مسئولیۃ شخصیہ کی تعلیم و تربیت دے۔

اسی قسم کا اعتقاد میں نے سیاسی گروہ اور مسلمان حکام میں زیادہ دیکھا میں نے خود سیاست یورپ کو دیکھا ہے۔ جو آج سب سے زیادہ ترقی یافتہ سیاست ہے۔ میں نے ان دو سیاستوں کو اچھی طرح دیکھا اور جانچا ہے۔ یورپ کی سیاست مسئولیۃ شخصیہ کو لغو اور بیکار نہیں کرتی۔ ایک خادم سے لے کر وزیر تک مسئولیۃ شخصیہ کو جانتا اور سمجھتا ہے لیکن مسلمانوں کا یہ حال ہے اپنے ساتھ ایسے شخص کو بھی ملا دیتے ہیں جو اپنی شخصیہ کو حاکم و عامل کی شخصیہ میں ضم اور مدغم کر دیوے۔ کابل کے متوفی الممالک کو میں نے دیکھا ہے۔ حالانکہ وہ سمجھدار عامل اور صاحب اصلاح شخصیت رکھتے ہیں اپنے آدمیوں سے ایک مجمع میں کہا کرتے تھے۔ اگر وہ جنت میں جائیں گے تو میں بھی ان کے ہمراہ جاؤں گا۔ انشاء اللہ۔ تو باوجود پوری پوری آگاہی اور سمجھ کے اپنی ذلت و عجز پر مجھے بہت افسوس ہوا یہ شخص میری نگرانی پر مامور تھا۔ اور مجھے اس نے اپنے گھروں کے احاطہ میں منتقل کر دیا تھا۔ جب میں اپنی جان پر تعدی اور ظلم پاتا کہ وہ میری مسئولیۃ سے بڑھ چکا ہے میں بلند آواز سے چلاتا کہ مجھے تم جیل خانہ بھیج دو۔ جیل خانہ میرے لئے آسان ہے۔ میں تمھارے عمل سے نہیں ڈرتا اور نہ میں اسے قبول کروں گا۔ نہ میں اس سے خوش ہوں۔

میں اس شخص کی فضیلت وبرتری کا قائل ہوں۔ میں اس سے ناراض بھی نہیں ہوں۔ میں جانتا ہوں وہ ایک تجربہ کار انسان ہے۔ معاملات اور امور کو خوب سمجھتا ہے۔ لیکن بیچارہ امیر کی جانب سے مظلوم اور مجبور ہے۔

اور یہی حال نادر خان کا امیر حبیب اللہ کے مقابلہ میں تھا۔ یہ میں نے اس لئے ذکر کیا کہ تمام اہل اسلام سے باخبر ہوں اور تمام کو تنبیہ ہو جائے۔ تمالتنبیہ۔

تنبیہ ختم ہوئی۔

(جاری ہے)

بقیہ صفحہ ۲۲ سے آگے

کا تسلسل توڑنے اور نئی بات کو نئی سطر لکھنے کا اہتمام نہیں۔

اسلوب بیان و تحریر میں اس دور کی ایک اور خوبی نمایاں ہے۔ آج ہم اپنی تحریر میں جس مقام پر "کرکے" استعمال کرتے ہیں۔ سرسید اور حالی کے دور میں اس جگہ پر "کرکر" لکھا جاتا تھا۔ چونکہ حضرت کا علمی وادبی دور بھی وہی تھا۔ اس لیے آپ کی تحریر میں اس دور کی یہ خوبی پوری طرح نمایاں ہے۔

بقیہ صفحہ ۴۰ سے آگے

راقم السطور کی گذارش پر شیخ صاحب نے اپنے شعری مجموعے خود مرتب کئے تھے اس ناچیز ہی کی تجویز پر انہوں نے اپنے اردو مجموعہ کلام کا نام "گلزار خلیل" رکھنا پسند فرمایا تھا۔ خدا کرے کہ یہ دونوں شعری مجموعے کسی نیک بندے کی توجہ سے شائع ہو جائیں۔

سندھی مقالات کا ایک مجموعہ "مضامین خلیل" کے نام سے مرتب کردہ عبدالقیوم صائب حیدرآباد کے ایک علم دوست اور ادیب نواز ناشر و طابع احمد شیخ کی ہمت و کوشش سے زیب ادبی مرکز کے تحت شائع ہو چکا ہے۔